معاصرت منافرت کا پیش خیمہ

(از)

سالکؔ بلال نائب سرپرست ماہنامہ راہ نجات بارہمولہ

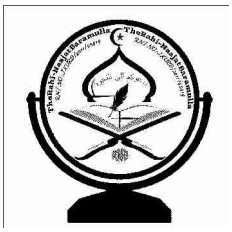

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاصرت منافرت کا پیش خیمہ

عربی لغت میں ''عصر'' زمانے کو کہتے ہیں۔اسی سے معاصر مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''ہم زمانہ'' اور انگریزی میں اس کو contemporary کہتے ہیں۔ایک ہی زمانے میں پائے جانے والے دو افراد ایک دوسرے کے معاصر کہلاتے ہیں۔وہ اہل علم اور دانشور حضرات جو ایک ہی زمانے میں دینی یا دنیاوی علوم کی خدمت کرتے تھے یا کرتے ہیں ایک دوسرے کے معاصر کہلاتے ہیں۔جب معاصر شخصیات ایک دوسرے کے جاہ وحشمت کو بر بنائے رشک برداشت نہیں کر پاتی اور ان کے رشک پر حسد جیسی قوت بہیمیہ غالب آجاتی ہے تو اسی کیفیت کا نام فتنۂ معاصرت ہے اور یہی فتنۂ معاصرت کبھی کبھار منافرت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔جب ہم تاریخ کے اوراق اس حوالے سے گردانتے ہیں تو ہمیں ایسی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں جس میں تاریخ اسلام کی بہت ساری علمی شخصیتیں اسی منافرت کی وجہ سے تختہ دار تک پہنچ گئی ہیں۔حالانکہ ان کے معاصرین یہ بخوبی جانتے تھے کہ یہ ہم سے ہر اعتبار سے فائق تر ہیں۔امام ابوحنیفہؒ سے لے کر امام انور شاہ کشمیری،شبلی نعمانیؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ ؒ تک اور اس زمانے میں ؒ، مفتی تقی عثمانی صاحب،طاہر القادری صاحب،ڈاکٹر اسرار،ڈاکٹر ذاکر نائک،اور خالد سیف اللہ رحمانی اور دیگر علماء اور دانشوروں کی صلاحیتوں کا اعتراف ان کے معاصرین نے استثناء کے ساتھ بہت کم کیا ہے۔امام ابو حنیفہؒ جیسے بڑے امام کو اسی فتنۂ معاصرت کی وجہ سے قسم قسم کے طعنے سننے پڑے۔امام صاحب کو بھی اس بات کا بخوبی علم تھا کہ یہ میرے معاصر ہیں لہٰذا میرے علمی تفوق کو برداشت نہیں کر پا رہے ہیں۔لہٰذا اپنے کام کو جاری رکھا اور ان کے ساتھ کبھی نہیں الجھے۔بلکہ کبھی کبھار ہم عصر امامؒ کو نقصان پہنچانے کے لیے اس قسم کے سوالات خلیفہ کے سامنے کرتے تھے کہ اگر امامؒ اپنی فراست اور تدبر سے ان کا جواب نہ دیتے تو کافی

نقصان اٹھاتے۔حمید طوسی (کوتوال) کی ایک روایت میں افسر تعارف شاہی (حاجب) ربیع نے ایک دن منصور (خلیفہ) کے سامنے ابوحنیفہ سے یہ خطرناک سوال کیا کہ وقت بہ وقت ہم کو خلیفہ قتل وغیرہ سزاؤں کے نفاذ پر مامور کرتا ہے اور ہمیں مقدمے کے حالات کا علم نہیں ہوتا کہ سزا منصفانہ ہے کہ ظالمانہ، ایسی صورت میں ہم حکم کی تعمیل کریں یا نہیں؟ ابوحنیفہ نے جرح کی کہ ''تمہاری رائے میں خلیفہ منصفانہ حکم دیتا ہے کہ ظالمانہ؟'' اس نے کہا ''منصفانہ'' ابوحنیفہؒ نے کہا ''تو منصفانہ حکم کی فوراً تعمیل کرو۔اس میں ثواب ہے۔''[۳] اس طرح عملی سوال کو اپنی ذہانت اور فراست سے علمی بنا کر معاصرت کے شر سے اپنے اپ کو بچانے میں کامیاب ہوئے۔ چونکہ ابوحنیفہؒ بسا اوقات قاضی وقت کے فیصلوں پر تنقید کر کے غلطیاں نمایاں کر دیا کرتے تھے لہٰذا وہ ان کی ذہانت کو دیکھ کر جلتے تھے اور اس طرح ان کو داغ دار کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے قاضی نے ایک پیشہ ور طوائف کو آمادہ کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کو کسی بہانے اپنے گھر بلائے۔رات کو وہ مصیبت زدہ بن کر آئی اور اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر کی تلقین کے لیے بلایا۔دردمند امامؒ گلیوں میں سے گزر کر اس کے گھر پہنچے تو پہلے سے تیار پولیس نے ان کو گرفتار کر کے طوائف کے ساتھ رات بھر حوالات میں رکھا کہ ان کا چالان کر کے ان کو غیر ثقہ اور آئندہ گواہی کے لیے ناقابل قرار دیا جائے۔ابوحنیفہؒ رات بھر حسب عادت عبادت میں مصروف رہے۔اس کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں طوائف سخت پشیمان ہوگئی اور پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہی۔کسی طرح امام ابوحنیفہؒ کی بیوی بھی پتہ چلا کر بڑی رات گئے حوالات آئیں تو طوائف بڑی خوشی سے ان سے کپڑے بدل کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔صبح کو ابوحنیفہؒ معہ اپنی بیوی کے عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کو مجبوراً انہیں عزت سے بری کرنا پڑا۔[۴]

اسی طرح مورخ ابن اسحاق جو کہ ابوحنیفہ کے معاصر تھے کو بھی ابوحنیفہؒ سے بنتی نہیں تھی۔ایک دن دونوں خلیفہ منصور کے پاس موجود تھے۔ابن اسحاق نے موقع دیکھ کر کہا ''امیر المومنین یہ شخص کہتا ہے کہ حضور (یعنی خلیفہ) کے جدامجد حضرت ابن عباسؓ نے اس مسئلہ میں غلطی کی تھی، جب یہ کہتا تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر

بعد میں کسی وقت بھی انشاء اللہ کہے تو قسم کی پابندی باقی نہیں رہتی ،اور کہتا ہے کہ انشاء اللہ قسم کے ساتھ فوراً کہنا چاہیے''۔ ابو حنیفہؒ نے جواب دیا ''امیر المومنین ، یہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی فوج پر آپ کی اطاعت واجب نہیں کیونکہ سپاہی بیعت کا حلف لینے کے بعد گھر جا کر انشاء اللہ کہہ دیتے ہیں''۔خلیفہ ہنس پڑا اور ابو حنیفہؒ عزت کے ساتھ گھر واپس آ گئے۔۵

بلکہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی درج ہیں جس میں امام ابو حنیفہؒ صاحب اپنے شاگردوں کو اپنے معاصر علماء کے آس پاس حلقہ درس قائم نہ کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ معاصر علماء کو جو امام صاحب سے چشمک تھی اس کی وجہ سے کہیں ان کو تکلیف نہ پہنچے۔اسی نوعیت کا ایک واقعہ ''اخبار ابی حنیفہؒ و اصحابہٖ''میں یوں آیا ہے کہ یوسف بن خالد سمتیؒ جب امام صاحبؒ سے تعلیم حاصل کر کے بصرہ واپس ہونے لگے تو آپ نے ان کو نصیحت کی کہ بصرہ میں اہل علم کی ایک جماعت پہلے سے موجود ہے جس کو علمی و دینی سیادت و سربراہی حاصل ہے اس لیے تم اپنا حلقۂ درس قائم کرنے میں عجلت نہ کرنا، اور نہ یہ کہنا کہ'' **قال ابو حنیفہؒ**'' یعنی یہ قول ابو حنیفہ کا ہے۔اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو بہت جلد اپنے حلقۂ درس سے اٹھنا پڑے گا۔مگر یوسف سمتیؒ نے بصرہ پہنچ کر اس کے خلاف کیا اور قال ابو حنیفہؒ کہنا بھی شروع کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف سمتی کو مخالفت کی وجہ سے مسجد سے اٹھنا پڑا اور اس طرح وہ حلقہ درس جاری نہیں رکھ سکے۔اس کے بعد زفر بن ہذیل بصرہ گئے اور انہوں نے امام صاحب کے مشورہ کے مطابق اپنا حلقہ درس جاری نہیں کیا بلکہ بصرہ کے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے۔اور ان کے اقوال و آراء کی تائید میں ایسے دلائل بیان کیے جن سے علماء بصرہ بے خبر تھے ،جب وہ ان دلائل کو دیکھتے تھے تو بہت خوش ہوتے تھے اور مطمئن ہو جاتے تھے ۔اطمینان ظاہر کرنے کے بعد زفر بن ہذیل ان سے کہتے تھے کہ اس سے بھی بہتر ایک قول ہے ،اور اس کو دلائل و برائین کے ساتھ بیان کرتے تھے۔اور جب یہ قول ان حضرات کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جاتا اور انکار کے سب دروازے بند ہو جاتے اور اس سے علمی اعتبار سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تو پھر ان کو بتاتے کہ یہ قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔اسطرح ان کو'' **ھو قول حسن لا نبالی من قال بہ** '' کے کہنے کے

سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔اس حزم واحتیاط کے باوجود بھی امام صاحبؒ اپنے معاصرین کی ریشہ دوانیوں سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔

امام مالکؒ سے متعلق یہ بات علمی اعتبار سے متفق علیہ ہے کہ وہ حدیث کے رجال و رواۃ کے بارے میں بڑا وسیع ومعتبر علم رکھتے تھے۔اوران کی جرح وتعدیل میں اپنی رائے برملا ظاہر کرتے تھے۔اس سلسلے میں بعض ائمہ علم کے بارے میں ان سے ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں فتنۂ معاصرت کی جھلک پائی جاتی ہے۔مثلاً ان کے شاگرد محمد بن فلیح کا بیان ہے کہ امام صاحب نے مجھ کو قریش کے دو شیوخ سے روایت کرنے کی ممانعت کی ،جبکہ خود مؤطا میں ان سے متعدد روایات لی ہیں اور وہ دونوں شیوخ حجت ہیں۔اس روایت کو ابراہیم بن منذر نے نقل کر کے کہا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کلام کرنے سے بہت لوگ (مراد اہل علم) نہیں بچ سکے ہیں۔ جیسے امام شعبیؒ کے بارے میں ابراہیم نخعیؒ کا قول،اور خود امام شعبیؒ کا قول عکرمہؒ کے بارے میں ہے۔ اس قسم کے معاصرانہ اقوال پر اہل علم نے توجہ نہیں دی ہے اور ان سے کسی کی عدالت ساقط نہیں ہوتی ہے الّا یہ کہ ان کے ساتھ حجت ہو، جرح مبہم کا اعتبار نہیں[1]۔

امام شافعیؒ کے معاصرین کو جب امام میں کوئی خامی نہیں ملی تو ان کو کھینچ تان کر شیعہ قرار دینے کی ناکام کوشش کی ۔تفصیل اس کی یوں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابتداء آفرینش سے ہی دو مختلف گروہ پائے جاتے تھے،ایک علوی دوسرا عثمانی،لہٰذا امام شافعی کے دور میں بھی تشاجرات صحابہؓ میں علوی الفکر اور عثمانی الفکر دونوں طبقے موجود تھے اور ہر بڑے شخص کے بارے میں اسی نقطۂ نظر سے کام لیکر فیصلہ صادر کرتے تھے۔امام صاحب اگرچہ اپنے آپ کو اس گروہی بندش سے کوسوں دور رکھتے تھے تاہم کچھ معاصرین نے ان کو حضرت علی اور آل نبی ﷺ سے محبت اور تعلق ظاہر کرنے کی بنیاد پر تشیع کے الزام سے متہم کیا۔چونکہ امام شافعی ہاشمی مطلبی ہیں،رشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ابن عم یعنی چچا زاد بھائی ہوتے ہیں ،خواب میں حضرت علیؓ سے مصافحہ ومعانقہ کا شرف پایا اور ان کی انگشتری پہنی،ان ہی وجوہ سے آپ حضرت علیؓ ،آل ابو طالب اور آل رسول ﷺ کا احترام کرتے تھے،اور کرنا بھی چاہیے تھا،تاہم یہ بات بعض

معاصرین کو کھٹکی اور انہوں اس وقت کی عام روش کے مطابق امام صاحبؒ پر شیعت کا گمان کیا۔امام صاحب کے معاصرین یہ جانتے تھے کہ کہ حُبِ آل نبی ﷺ ایمان کا خاصہ ہے اس کے باوجود وہ امام صاحبؒ کو محبت آل نبی ﷺ کی وجہ سے شیعہ ٹھہرانے کی ناکام کوشش کرتے تھے۔قاضی ایاز نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے امام شافعی سے کہا کہ آپ کے اندر تشیع کی خو بو ہے، کیونکہ آپ آل نبی ﷺ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔اس کے جواب میں امام صاحب نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا ہے کہ:**لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده و الناس اجمعین** (ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ متقی لوگ میرے دوست اور قرابتدار ہیں اور نیک رشتہ داروں سے محبت کا حکم ہے میں ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے نیک رشتہ داروں سے کیوں نہ محبت کروں؟ پھر یہ اشعار سنائے:

یا راکباً قف بالمحتصب من منی

واهتف لساکن خبیها والناهض

سحراً اذا فاض الحجیج الی منی

فیضاً کلملتطم الخلیج الفائض

ان کان رفضاً حبب آل محمدؐ

فلیشهد الثقلان انی رافضی

(ترجمہ) سحر کو جب حجاج مزدلفہ سے منی کی طرف وادی کے سیلاب کی طرح امڈتے ہیں اے سوار۔تم وادی محصّب میں ٹھہر کر ہر کوچ کرنے والے اور قیام کرنے والے کو پکارو اور کہو کہ۔اگر آل رسول ﷺ کی محبت رفض ہے تو دو جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔[۲]

امام احمد بن حنبلؒ کے موقف کے سامنے جب اس کے معاصرین علمی دلائل کے اعتبار سے ماند پڑ

گئے تو انہوں نے بادشاہ وقت کے اعتزالی موقف کی تائید کی اور امام صاحب کو سلاخون کے پیچھے کروادیا اور اس طرح اس معاصرت نے ان کو امام صاحب کے قاتلوں میں کھڑا کر دیا۔ امامؒ نے بادشاہ اور اس کے دربار میں متکلمین ،معتزلہ اور منحرفین کے طرف سے پہنچائے گئے تمام تکالیف کو برداشت کیا لیکن اپنا موقف تبدیل نہیں کیا۔ بلکہ بعد میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ کہتے تھے کہ میرے مارنے والوں کو یعنی جو جیل میں کوڑے مارتے تھے اور مر چکے ہیں کو میں نے معاف کر دیا۔ میں نے یہ آیت پڑھی ''**فمن عفا و اصلح فاجره علی الله** ''اور اسکی تفسیر دیکھی تو حسن بصریؒ کا یہ قول ملا کہ قیامت کے دن تمام امتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے لائی جائیں گی اور ندا ہوگی کہ جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے کھڑا ہو جائے ،اس وقت وہی آدمی کھڑا ہوگا جس نے دنیا میں عفو درگذر کیا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے مارنے والوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں ان کو معاف کر دیا۔ پھر کہا کہ اس میں آدمی کا کیا نقصان ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہ دے۔ اور معتصم نے جس دن بابل یا عموریہ فتح کیا، امامؒ صاحب نے کہا میں نے اس کو معاف کر دیا۔

امام غزالیؒ کے علم وفضل سے تو امت کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اتنا بڑا امام بھی فتنۂ معاصرت کی ریشہ دانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چونکہ امامؒ کو زندگی ہی میں اپنی علمی وجاہت کی وجہ سے حجت الاسلام کا لقب ملا تھا جو آج تک قائم ہے تاہم ان کو بھی بعض وجوہات کی بنا پر مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بقول علامہ شبلیؒ امام صاحب کو جو اپنے معاصر اہل علم کی مخالفت سہنا پڑی اس کے چند وجوہات یہ تھیں:

۱ سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے اشاعرہ کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا۔ بہت سے مسائل میں اشاعرہ کے مخالف تھے اور جن مسائل میں متفق تھے ان میں بھی اشعری کے مقلد نہ تھے بلکہ ان کا اجتہاد اشاعرہ سے متوارد ہو گیا تھا۔

۲ بعض مضامین میں فلسفیانہ مذاق پر لکھتے تھے۔ اور فلسفہ کے اصول بعینہٖ تسلیم کر لیے تھے۔

۳ مروجہ فقہ وکلام کا رتبہ بہت گھٹا دیا تھا۔

۴؎ عقائد کی طرح فقہ میں بھی کسی کے مقلد نہ تھے۔

۵؎ احیاء العلوم باب المغرورین میں فقہا، متکلمین، واعظین، متصوفہ کے بہت سے عیوب ظاہر کیے تھے۔

ان اسباب نے ایک جم غفیر کو برافروختہ کیا اور ہر فرقہ کے بڑے بڑے علماء مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے (لہٰذا) فقہاء نے فتویٰ دیا کہ ان کی تصنیفات اور خصوصاً احیاء العلوم کا مطالعہ کرنا گناہ ہے۔ اسپین کے علماء نے جن کے سرگروہ قاضی عیاضؒ تھے ان کی تصنیفات بادشاہ وقت کے سامنے پیش کیں اور رائے دی کہ سب جلا دینے کے قابل ہیں۔ چنانچہ کل کی کل جلا دی گئیں۔ یہ واقعہ ۵۰۰ھ میں بمقام مریہ وقوع میں آیا۔

زیادہ تر جو امام صاحب کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا وہ اشاعرہ کی مخالفت اور فلسفہ و منطق سے تلبس کی وجہ سے کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد ابن الصلاح امام صاحب سے اس بات پر ناراض ہیں کہ انہوں نے منطق میں کیوں کتاب لکھی کیونکہ ان کے نزدیک منطق کا سیکھنا بالکل حرام ہے۔ اسی طرح اشاعرہ نے بعض اصول ایسے قائم کیے تھے جن سے علم وفنون اور حکمت سب بیکار ہوئے جاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ اسباب و مسببات کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ کسی چیز میں کوئی اثر و خاصہ نہیں۔ واقعات عالم میں کوئی تربیت و انتظام نہیں ہے۔ یہ اصول اگر ایک لحظہ کے لیے بھی تسلیم کر لیے جائیں تو تمام علوم وفنون، تحقیقات و تدقیقات، بلکہ ہر قسم کی علمی ترقیوں کا خاتمہ ہو جائے اس لیے امام صاحب نے اسباب و علل کے اس اصول کو نہایت زور و شور سے باطل کر دیا۔ اس مسئلہ کے ابطال کے لیے احیاء العلوم باب التوکل میں ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ ''اس سے ظاہر ہوا کہ سبب الاسباب نے اظہار حکمت کے لیے طریقہ جاری رکھا ہے کہ مسببات کو اسباب کیساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ مسبب ضرور سبب کے متعاقب وجود میں آئے گا، بشرط یہ کہ سبب کے تمام شرائط پائے جائیں۔ یہ اس قسم کے اسباب ہیں جن سے مسببات کا وجود وابستہ ہے جو کبھی اس سے الگ نہیں ہوتا اور یہ بھی خدا کی تقدیر اور مشیت کی وجہ سے ہے۔ اگر تم اس بات کا انتظار کرو گے کہ خدائے تعالیٰ روٹی کے بغیر تمھاری بھوک کو دفع کر دے یا روٹی میں حرکت پیدا کر دے کہ خود بخود تم تک چلی آئے یا ایک فرشتہ مقرر کر دے کہ روٹی کو منہ میں چبا کر تمہارے معدے تک پہنچا دے تو تم خدا کے طریقہ اور عادت سے جاہل ہو۔''۶؎

اسی طرح محدث مازریؒ امام غزالیؒ سے اس لیے ناراض تھے کہ ان کو یہ بات پہنچی تھی کہ امام اخوان الصفا کے رسائل کو اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ چونکہ ان رسالوں کا مصنف ایک فلسفی ہے۔ جس نے فلسفہ کو دین میں ملانا چاہا اور اس پردے میں فلسفہ کی حمایت کی۔ محدث ابن الصلاحؒ اور امام مازریؒ جیسے بزرگوں کے اعتراضات اس لیے صحیح نہیں تھے کیونکہ وہ فلسفہ اور منطق نہیں جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب سے متعلق اس باب میں غلط رئیں قائم کیں۔

معاصرانہ چشمک کہاں نہیں ہے۔ آیئے ذرا ادبی دنیا کی طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ سے میر تقی میرؔ کی معاصرانہ چشمک رہتی تھی۔ ایک مرتبہ سودا نے کہا۔

سوداؔ تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

اس کے جواب میں میر تقی میر نے لکھا۔

طرف ہونا مرا مشکل ہے میرا اس شعر کے فن میں
یوں ہی سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

اسی میرؔ کو لکھنو میں کسی نے پوچھا۔ ''کیوں حضرت آج کل شاعر کون کون ہے؟''
میرؔ نے کہا ایک تو سوداؔ ہے دوسرا یہ خاکسار، اور پھر کچھ تامل سے بولے، آدھے خواجہ میر دردؔ۔
اس شخص نے کہا، حضرت اور میر سوزؔ؟''
میرؔ صاحب نے چیں بہ چیں ہو کر کہا۔ ''میر سوزؔ بھی شاعر ہیں؟''
اس نے کہا۔ ''آخر بادشاہ آصف الدولہ کے استاد ہیں۔''
کہا ''خیر اگر یہ بات ہے تو پونے تین سہی۔''

اسی طرح سیاست میں بھی چشمک کی یہ کارستانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب ہم علم کی بات کرتے ہیں تو مولانا ابوالکلام آزاد علی محمد جناح کے مقابلے میں علمی افق پر نظر آرہے ہیں لیکن سیاسی رقابت کی وجہ

سے محمد علی جناح صاحب نے ان کو کانگریس کا شوبائے کہہ کر منفی کر دیا۔

اگر ہمارے زمانے میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے تو اس میں کسی قسم کا استعجاب نہیں ہونا چاہیے۔ حال ہی میں ہمارے ایک فاضل دوست ڈاکٹر شکیل شفائی صاحب مدظلہ العالی نے کسی آدمی کے ساتھ فون پر ایک خاص پس منظر میں مکالمہ کیا تھا۔ اس آدمی نے عدم دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے اس نجی گفتگو کو دوسرے لوگوں کے ساتھ شیئر کیا اور اس طرح چند شر پسند لوگوں نے اس مکالمے کی ایک کلپ نکال کر وائرل کی۔ اس کلپ کو سننے کے بعد ہمارے چند علماء کو یہ شبہ ہوا کہ شاید موصوف اپنے معاصر علماء کو مانتا ہی نہیں ہے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا کیا گیا۔ چند فضلاء نے بغیر مکمل تحقیق کیے ہمارے فاضل دوست جس کو اللہ نے دینی اور دنیاوی علوم سے نوازا ہے اور جو اردو ادب میں ایک استاد کی حیثیت بھی رکھتے ہیں کی یہ کہہ کر نفی کی کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔ حالانکہ اس فاضل دوست کو اللہ نے دینی اور دنیاوی علوم میں اتنا رسوخ عطا کیا ہے کہ دانشوروں کی ایک کثیر تعداد ان کی خوشہ چین ہیں۔ اور علماء حق بھی اس کے علمی کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ میرے استاد ڈاکٹر نذیر احمد زرگر صاحب مدظلہ العالی کو اللہ نے دینی اور دنیاوی بصیرت سے نوازا ہے۔ ہماری وادی کے چند جید علماء جن میں مفتی عبدالرحیم الحسنی مدظلہ العالی ہیں نے ان کو ذاتی اعتبار سے حدیث پڑھانے کی اجازت بھی دی ہے کو بھی ہمارے وادی کے کچھ طلباء نے مطلق جاہل قرار دیا۔ یہ سوشل میدیا پر برپا کیے گئے طوفان کا خلاصہ ہے۔ ان قابل احترام فضلاء کے خلاف کھڑا کیے گئے اس طوفان کے پیچھے ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علمائے حق اور دانشورں کے درمیان دوری کو پاٹنے میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ جن لوگوں نے ان کو حدیث نہ پڑھانے کا مشورہ دیا ان کے ہم فکر لوگ اپنی مساجد میں نجی مکتبوں میں علم حدیث کا درس جہلاء سے دلوا کر اہل سنت والجماعت کے سادہ لوح عوام کو حدیث ضعیف اور صحیح کی اصطلاحیں بیان کر کے اپنے مسلک سے متنفر کرتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص نے اپنی فکر کے ان لوگوں کو جو فن حدیث کے ا، ب اور ت سے واقف نہیں ہیں نصیحت کیوں نہیں کی، کہ یہ آپ کا کام نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس کے اپنے ہیں اور وہ اپنی فکر کی ترویج کی

غرض سے ان سے متعلق خاموش ہے۔ اور چونکہ ان مکرم فضلاء کی وجہ سے وادی کے حنفی مقلدین کی ایک کثیر تعداد اپنے مسلک سے نزدیک تر ہوتی چلی جاتی تھی اور ان کا تعلق علمائے حق سے ہو جاتا تھا لہٰذا ان کو اپنے حلقے میں ہدف تنقید بنانے میں یہ حضرات کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس تنقید کو زیادہ خطرناک تر بنانے کے لیے انہوں نے ایسی کلپ نکالی جس سے ہمارے اپنے احباب میں معاصرت کی چشمک کی آگ کو بھڑک اٹھی اور ان مخلص احباب کو یکسر یہ کہہ کر مسترد کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ کچھ نہیں جانتے تاکہ اپنے حلقے میں یہ غیر معتبر ٹھہریں اور اس طرح دین کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ وائے اسفا۔

خلاصہ یہ کہ معاصرانہ چشمک ایسی بلا ہے کہ کوئی عہد اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں رہا۔ اس فتنے سے علماء بھی محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا تھا کہ علماء کی صحبت سے علم حاصل کیا کرو لیکن معاصروں کے بارے میں ان کی رائے پر اعتماد نہ کیا کرو کہ ان میں باہمی حسد ہوتا ہے اور یہ مینڈھوں کی طرح ایک دوسرے سے سینگ لڑاتے ہیں۔

حوالے

۱؎ (تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۱۴۱ بحوالہ مختصر سوانح ائمہ اربعہ از قاضی اطہر مبارکپوری صفحہ نمبر ۱۳۳)

۲؎ ترتیب المدارک جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۹۰ بحوالہ بحوالہ مختصر سوانح ائمہ اربعہ از قاضی اطہر مبارکپوری

۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی (از) ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) البلاغ پبلی کیشنز ابوالفضل اینکلیو جامع نگر دہلی۔

۴؎ موفق ۱/۱۷۱ تا ۱۹ (بحوالہ) امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی (از) ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) البلاغ پبلی کیشنز ابوالفضل اینکلیو جامع نگر دہلی۔

۵؎ موفق ا/۱۴۳ تا ۱۴۴ (بحوالہ) مام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی (از) ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) البلاغ پبلی کیشنز ابوالفضل اینکلیو جامع نگر دہلی۔

۶؎ الغزالی (از) علامہ شبلی نعمانی ص ۱۱۰ تا ۱۱۱